السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

شریعت وطریقت الگ الگ دو مفہوم ہیں یا ایک ہی مفہوم کے دونام ہیں ؟ ازراہِ کرم کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دیں جزاکم اللہ خیرا

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

یہ مسئلہ بہت تفصیل طلب ہے ہم اس پر کچھ زیادہ لکھنا چاہتے تھے ۔ لیکن عدیم الفرصت کے باعث مختصر مضمون پر اکتفا کرتے ہیں ۔ پھر کسی فرصت کے وقت اس پر زیادہ روشنی ڈالی جائے گی ۔ ان شاء اللہ

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اوراس کے بعد خیر قرون میں شریعت ، طریقت ، حقیقت ، معرفت وغیرہ کوئی خاص اصطلاح نہ تھیں ۔ صرف شریعت کا لفظ دین کے معنی میں استعمال ہوتا تھا باقی الفاظ قریباً اپنے لغوی معنی پر تھے ۔ اس کے بعد جیسے فقہ والوں نے احکام کے درجات بتلانے کی غرض سے فرض واجب وغیرہ اصطلاحات مقرر کی ہیں ۔ اسی طرح صوفیائے کرام نے تہذیب اخلاق یعنی علم تصوف میں سلوک عبد کے درجات کو ظاہر کرنے کی غرض سے یہ الفاظ مقرر کیے ۔ مثلاً شریعت عقائد اور ظاہری احکام کا نام رکھا جیسے نماز ۔ ۔ ۔ روزہ وغیرہ ۔ طریقت ان پر عمل کرنے میں ریاضت اور مجاہدۂ نفس کرنا اوراپنے اندر اخلاص اور للٰہیت پیدا کرنا ۔ حقیقت ان کے اسرار پر مطلع ہوکر اپنا عمل اس کے مطابق کرنا جیسے شاہ ولی اللہ صاحب نے حجة اللہ البالغة میں ان احکام کے اسرار لکھے یا نفس اور دل کے امراض پر مطلع ہوکر ہر ایک مرض کا مناسب علاج کرنا اور باطنی صحت قائم رکھنے کے اسباب پیدا کرنا ۔ معرفت کشف اور مراقبہ کی حالت ہے ۔ جو یقین اور اطمینان قلبی کا اعلیٰ مقام ہے ۔ اس وقت اللہ کے سوا کسی شے کی طرف نظر نہیں رہتی اور ذکر الٰہی میں وہ حلاوت اور لذت پاتا ہے کہ کوئی لذت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی بلکہ ذکر الٰہی ایک طرح سے اس کی غذا ہوجاتا ہے جس کے بغیر اس کی زندگی مشکل ہے ۔

مثال

ان چاروں مراتب کی مثال درخت کی سی ہے ۔ مثلاً درخت کےلئے جڑیں اور تنا ہے ان کے بغیر درخت کا وجود ہی نہیں ۔ پھر ٹہنے اور شاخیں ہیں یہ بھی درخت کےلئے لازمی ہیں ۔ پھر پھل ہے پھر اس کی لذت ہے ۔ ٹھیک اسی طرح تصوف ہے ۔ شریعت کے بغیر تو تصوف کوئی چیز ہی نہیں ۔ نہ وہاں طریقت ہے نہ حقیقت نہ معرفت کیونکہ شریعت بمنزلہ جڑ اور تنے کے ہے ۔ اس کے بعد طریقت کا مرتبہ ہے جو بمنزلہ ٹہنوں اور شاخوں کے ہے ۔ اس کے بغیر بھی تصوف کالعدم ہے ۔ پھر حقیقت پھل کے قائم مقام ہے اور معرفت اس کی لذت کے قائم مقام ہے ۔ جیسے درخت پھل اور اس کی لذت کے بغیر کامل نہیں اس طرح بندہ بھی خدا کے نزدیک کمال کو نہیں پہنچتا جب تک اس کے اندر حقیقت اور معرفت پیدا نہ ہوجائے ۔

چار قسم

یہ چار قسمیں اس وقت ہوں گی جب طریقت کو اور معرفت کو بھی علم تصوف کی شاخیں شمار کریں۔ اگر طریقت کے معنی علم تصوف کے لیں جیسے اکثر صوفیاء استعمال کرتے ہیں تو اس وقت علم تصوف کی صرف تین قسمیں ہوں گی : شریعت ، حقیقت ، معرفت۔ اگر معرفت کو حقیقت سے الگ شمار نہ کریں بلکہ حقیقت میں داخل کریں تو بھی علم تصوف کی صرف تین قسمیں ہوں گی : شریعت ، طریقت ، حقیقت۔ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی شرح فتوح الغیب میں فرماتے ہیں :

دین ایک ہے اور شریعت ، طریقت ، حقیقت اس کے مراتب اور درجات ہیں۔ (ملاحظہ ہو البلاغ المبین تصنیف شاہ ولی اللہ صاحب ص 45 ملخصاً)
شیخ عبدالحق صاحب نے معرفت کو الگ شاخ شمار نہیں کیا گویا اس کو حقیقت میں داخل کردیا۔

علم کی قسمیں

شیخ علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری کشف المحجوب ص 20 میں شیخ محمد بن فضل سے نقل کرتے ہیں : علم تین ہیں : علم باللہ ، علم من اللہ ، علم مع اللہ یعنی علم توحید ، علم شریعت ، علم مقاماتِ اولیاء جس کو زہد اور تقویٰ کہتے ہیں۔ (ملخصاً)

کشف المحجوب کے صفحہ 159 میں فرماتے ہیں کہ :

شریعت اور حقیقت میں کسی نے فرق نہیں کیا (کہ آپس میں جدا ہوسکیں) کیونکہ شریعت حقیقت کے بغیر نہیں اور حقیقت شریعت کے بغیر نہیں۔
اسی لیے کہتے ہیں لاالٰہ اِلا اللہ حقیقت ہے اور محمد رسول اللہ شریعت ہے اور شریعت معرفت دونوں حقیقت کی شاخیں ہیں۔ اِنتہی

انہوں نے بھی علم تصوف کی تین قسمیں کردی ہیں : شریعت ، حقیقت ، معرفت۔ لیکن ان کے نزدیک حقیقت کا معنی وہ نہیں جو اوپر بیان ہوا۔ بلکہ حقیقت کے معنی علم توحید کے ہیں اسی لئے شریعت اور معرفت کو اس کی شاخیں قرار دیا ہے۔ کیونکہ جو شخص خدا کو نہ مانے اس کے نزدیک نہ شریعت نہ معرفت کچھ بھی نہیں۔

کشف المحجوب میں ایک اور جگہ علم تصوف کی صرف دو قسمیں ظاہر اور باطن کرکے دونوں کو حقیقت کہہ دیا ہے۔ چنانچہ ص 16 میں کہا ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں ظاہری ، باطنی۔ ظاہری کے بھی اصول فروع ہیں۔ باطنی کے بھی اصول فروع ہیں۔ ظاہری کا اصول کلمۂ شہادت ہے :

اشھد اَن لاالٰہ اِلا اللہ واَشھد اَن محمداً عبدہ ورسولہ

اور فروع لوگوں کے ساتھ معاملات میں درستی رکھنا۔ اور باطنی کا اصول معرفتِ الٰہی کی تحقیق اور فروع نیت کا نیک اور صحیح کرنا اور ان میں سے ہر ایک کا دوسرے کے بغیر پایا جانا محال ہے ظاہر باطن کے بغیر نہیں پایا جاسکتا اور باطن ظاہر کے بغیر نہیں پایا جاسکتا۔

علم حقیقت کے تین رکن

پھر علم حقیقت کے تین رکن ہیں :

1۔ اللہ کی ذات کو جاننا کہ وہ موجود ہے اور ایک ہے۔

2۔ خدا کی صفات کو جاننا اس کے احکام کو ماننا اور بجا لانا۔

3۔ اس کے فعلوں کو اور اس کی حکمت کو جاننا۔ (اِنتہی ملخصاً ص 316)

اس سے معلوم ہوا کہ جیسے طریقت کا استعمال علم تصوف کے معنوں میں ہوتا ہے ایسے حقیقت کا استعمال بھی کبھی انہی معنوں میں ہوتا ہے۔

اس کے بعد کشف المحجوب میں فصل باندھ کر لکھا ہے کہ علم شریعت کے بھی تین رکن ہیں: کتاب مجید، حدیث شریف، اجماع۔ خداوند تعالیٰ کی ذات (اور صفات اور افعال کے ثابت کرنے پر خداوند تعالیٰ کا قول ہی دلیل ہے۔ (انتہی ملخصاً ص 16

آگے چل کر سنت اور اجماع کا ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم شریعت علم حقیقت کے دلائل ہیں اسی طرح اور بزرگوں نے بھی ان کے الفاظ کے معانی انہی کے قریب لکھے ہیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت خواہ الگ الگ شاخیں ہوں یا ایک ہوں اور الگ ہونے کی حالت میں چار ہوں یا کم ہوں۔ کسی صورت میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ جو ایک دوسرے سے جدا ہونے کے قائل ہیں وہ ان کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اللہ ان کو سمجھ دے اور راہ راست کی توفیق بخشے۔ آمین

ایک اور شبہ اور اس کے کئی جواب

بعض لوگ شریعت اور طریقت کے الگ ہونے پر موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں۔ جو قرآن مجید میں سورۃ کہف میں مذکور ہے:

خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام ایک کشتی پر سوار ہوئے کشتی والوں نے مفت سوار کر لیا۔ خضر علیہ السلام نے اس کشتی کا ایک تختہ نکال دیا اور اس کی جگہ کیلا گاڑ دیا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کیا کہ کیا کشتی کا تختہ تو نے اس لئے نکالا ہے کہ کشتی والے ڈوب جائیں؟

یہ بہت برا کام کیا۔ پھر خضر علیہ السلام نے ایک چھوٹے بچے کو قتل کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تو نے ایک بے گناہ کو کیوں مارا؟ پھر خضر علیہ السلام نے ایک دیوار کو جو گرنے والی تھی درست کر دیا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ بھی ٹھیک نہیں کیا۔ کیونکہ ان بستی والوں نے ہمیں کھانا نہیں دیا۔ ہم کھانے کے محتاج تھے ان سے مزدوری لینی چاہیے تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت اور چیز ہے طریقت اور چیز ہے۔ آج کل علماء کے اعتراضات صوفیاء پر اسی قسم کے ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام پر کئے۔

جواب اول

مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں ہے کہ پہلے نبی خاص قوموں کی طرف بھیجے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سب کی طرف بھیجے گئے۔

قرآن مجید میں بھی ہے:

(قُلْ یَا أَیُّہَا النَّاسُ إِنِّی رَسُولُ اللَّہِ إِلَیْکُمْ جَمِیعًا'' (سورۃ الاعراف: 158''

''آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں''

(وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِینَ'' (سورۃ الانبیاء: 108''

''اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے''

(تَبَارَکَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا'' (سورۃ الفرقان: 1''

''بہت بابرکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تاکہ وہ تمام لوگوں کے لئے آگاہ کرنے وا بن جائے''

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہی قرآن مجید تمام جہانوں کے لئے ہے۔ کوئی اس قرآن سے باہر نہیں نکل سکتا۔ کیونکہ اس قرآن کی غرض تمام جہانوں کو ڈرانا بتلائی ہے۔

ایک اور آیت میں ہے:

(وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ'' (سورۃ الانعام: 19''

''اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعے سے تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو ڈراؤں''

مشکوۃ میں حدیث ہے:

عن أبي جحيفة قال سألت عليا هل عندكم شئ ليس في القرآن فقال والذي فلق الحبة وبرأ النسمة ما عندنا إلا ما في القرآن إلا فهما يعطى رجل في كتابه وما في الصحيفة (قلت وما في الصحيفة قال العقل وفكاك الأسير وأن لا يقتل مسلم بكافر رواه البخاري (مشكوة كتاب القصاص ص 300

ابی جحیفۃ کہتے ہیں میں نے حضرت علی سے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں کے پاس قرآن مجید کے سوا کچھ اور بھی ہے؟ فرمایا اس ذات کی قسم جس نے (زمین میں) دانہ پھاڑا اور جاندار کو پیدا کیا۔ ہمارے پاس سوا قرآن کے کچھ نہیں۔ مگر سمجھ ہے جس شخص کو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں دیدے اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے۔ میں نے کہا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا ''دیت'' قیدی کا چھڑانا اور یہ کہ مسلمان کافر کے بدلے نہ مارا جائے۔

مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ خاص طور پر ہمارے پاس کچھ نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں سمجھ بھی کسی کے ساتھ خاص نہیں اور دیت وغیرہ کے احکام بھی کوئی خصوصیت نہیں رکھتے۔

جب رسول اللہ ﷺ دنیا کے لئے رسول ہیں اور قرآن سب کے لئے ہے۔ تو خضر علیہ السلام پر قیاس صحیح نہیں۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اس طرح عام نہ تھی۔

دوسرا جواب

مقامِ نبوت میں اور مقامِ ولایت میں فرق ہے۔ نبی کا الہام، کشف، خواب وغیرہ سب وحی ہے۔ ولی کے الہام، کشف وغیرہ میں شیطان کا دخل

بھی ہوسکتا ہے۔ اسی لئے بلعم بن باعور جیسے مستجاب الدعوت کو شیطان نے گمراہ کردیا جس کا قصہ قرآن مجید سورۂ اعراف رکوع 21 میں ہے۔ اسی طرح برصیصا گمراہ ہوگیا جس کا ذکر سورۂ حشر رکوع 2 میں ہے۔ اسی طرح اور کئی ولیوں کا خاتمہ خراب ہوگیا۔ نبی کی وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ حفاظت کرتا ہے۔ خضر علیہ السلام صحیح قول کی بنا پر چونکہ نبی تھے اس لئے ان کے کام پر اعتراض نہ ہوسکنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اب کوئی ولی بزرگ شرع کے خلاف کرے تو اس پر بھی اعتراض نہ ہوسکے۔

تیسرا جواب

مثلاً ایک شخص کسی کے مہمان آیا، دو چار روز رہا دیکھا کہ اس کی بیوی نماز نہیں پڑھتی۔ خاوند کو بھی کوئی غیرت نہیں۔ خاوند پر اعتراض کرتا ہے کہ تم برا کرتے ہو۔ تمہاری بیوی نماز نہیں پڑھتی۔ تم اس کو کچھ نہیں کہتے۔ خاوند جواب دیتا ہے کہ وہ ایام حیض میں ہے اس لئے نماز نہیں پڑھتی۔ بتلائیے خاوند کا سکوت کرنا اور اپنی بیوی کو کچھ نہ کہنا یہ شرع کے خلاف ہے؟ ہر گز نہیں بلکہ عین شرع کے مطابق ہے۔ اور اعتراض کرنے والے کا اعتراض بھی بظاہر ٹھیک ہے جس کی وجہ سبب کی ناواقفی ہے۔

اسی طرح ایک شخص نے ایک شخص کو مارڈالا، دیکھنے والوں نے اعتراض کیا کہ تو نے بڑا ظلم کیا۔ اس نے کہا کہ یہ فلاں ڈاکو ہے۔ اس پر سب خوش ہوگئے بلکہ اس کو انعام کا مستحق سمجھا۔ ٹھیک اسی طرح خضر علیہ السلام نے جو کچھ کیا وہ عین شرع کے مطابق تھا۔ کیونکہ کشتی کا تختہ اس لئے نکالا کہ آگے ایک ظالم بادشاہ تھا وہ ہر صحیح سالم کشتی کو بیکار میں پکڑلیتا اور لڑکے کو اس لئے قتل کیا کہ اس نے بڑا ہو کر ماں باپ کو سرکش اور کافر بنانا تھا اور دیوار کو مفت اس لئے درست کیا کہ اس کے نیچے دو یتیم بچوں کا خزانہ تھا اگر درست نہ کی جاتی تو گر جاتی اور لوگ خزانہ نکال کر لے جاتے۔ خضر علیہ السلام کو خدا کی طرف سے اس قسم کی باتوں کا علم ہوجاتا۔ موسیٰ علیہ السلام کو نہیں ہوا اس لئے موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض بھی ظاہر کے لحاظ سے ٹھیک ہے۔ اب بھی اسی پر عمل چاہیے۔ جب کسی کا عمل بظاہر شرع کے خلاف دیکھے تو فوراً کہے تاکہ دوسرا آگے سے اس کی وجہ بیان کردے اور بدگمانی دور ہوجائے۔ اگر طریقت والے خضر علیہ السلام کی طرح اپنے عمل کو شرع کے مطابق کردیں تو ان پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ قرآن مجید میں ہے:

''حَتّٰٓی اُحۡدِثَ لَکَ مِنۡہُ ذِکۡرًا'' (سورۃ کہف: 70)

''جب تک کہ میں خود اس کی نسبت کوئی تذکرہ نہ کروں''

یعنی خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو شروع ہی میں کہہ دیا تھا کہ جو کام میں کروں گا اس کی وجہ خود بیان کروں گا تم سوال نہ کرنا۔ جس سے خضر علیہ السلام کا یہ مطلب تھا کہ میرا کام شرع کے خلاف نہیں۔ سبب سے ناواقفی کی بنا پر تم اعتراض نہ کرنا میں خود ہی تمہاری تسلی کروں گا۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام سے پہلی دفعہ اعتراض نسیاناً ہوا۔ پھر آپ نے دیکھا کہ میں اس علم سے کسی اہم نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے جدائی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے شرط وغیرہ کی پرواہ نہیں کی۔ بہر صورت خضر علیہ السلام نے جو کچھ کیا شرع کے ماتحت کیا۔ اس سے طریقت کا شرع کے خلاف ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ خضر علیہ السلام کا یہ قول جس کا مطلب یہ ہے کہ تم اعتراض نہ کرنا میں تمہاری تسلی کردوں گا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خواہ کوئی کتنا بڑا ہو شرع کی مخالفت کرنے کا مجاز نہیں۔

کے خلافت ۔ طریقت کو شرع سے الگ بنا کر شرع کی مخالفت کرنا اس فتنے کا دفعیہ صحابہ کے زمانہ میں اجماعِ صحابہ کے ساتھ ہوچکا ہے۔ چنانچہ عمر 2 کے دنوں میں ایک بدری (جنگ بدر میں شریک ہونے والا) صحابی نے شراب پی لی۔

بدریوں کی بابت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بخشے ہوئے ہیں۔ جب وہ پکڑ کر لایا گیا تو کہنے لگا میں بخشا ہوا ہوں۔ مجھ پر حد نہیں لگ سکتی کیونکہ میں

نے اور باقی سب صحابہ نے اس کا یہ عذر قبول نہیں کیا اور اس پر حد جاری کر دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی کتنا ہی گنہگار نہیں ہوا۔ حضرت عمر مقرب ولی ہو اور پرہیزگار مخلص ہو وہ احکام شرعیہ میں باقی عوام خواص کے برابر ہے۔ اس کے کرنے سے برا کام اچھا نہیں ہو سکتا اور شرعی مواخذہ دنیا میں اس سے ساقط نہیں ہو گا۔ ہاں آخرت میں خدا کے سپرد بخشے یا عذاب دے۔

اس موقعہ پر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ دو فرقے غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ جیسے خارجیوں اور رافضیوں کا حال ہے۔ خارجی طبیعت والا خدا کے نیک بندوں سے ایسا بغض رکھتا ہے کہ خواہ وہ کیسے ہی بزرگ ہوں ان کا ایک آدھ عیب لے کر ان کو برا کہتا ہے۔ اور کسی بات میں ان کو قابل اقتدا نہیں جانتا۔ رافضی خیال کہتا ہے کہ فلاں شخص جو کچھ کرے اچھا ہے اور واجب الاتباع ہے۔ اگر وہ کہے کہ شراب سے مصلیٰ رنگ لے تو رنگ لینا چاہیے۔ کے کیونکہ وہ بے خبر نہیں اس میں کوئی راز ہے۔ انہی سے بعض اٹھتے بیٹھتے یا بہاؤ الدین مشکل کشا کا ورد کرتے ہیں اور اپنے آپ کو خواجہ بہاؤ الدین مجبوں سے سمجھتے ہیں۔ کوئی یا نظام الدین الأولیاء زری زر بخش کا ورد کرتے ہیں یعنی اے نظام الدین اولیاء زری سونا بخش دے۔ بعض نے ہر ضرورت کے لئے یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کا وظیفہ گھڑ لیا ہے۔ خبردار یہ تمام افتراء اور بہتان ہے بزرگانِ طریقت سے یہ بالکل ثابت نہیں۔ کسی ثقہ نے ان سے اس کی روایت نہیں کی بلکہ معتبر کتابوں میں جو کچھ ان کے احوال درج ہیں ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو غیر اللہ کی طرف نظر ڈالنے سے منع کرتے تھے۔ شیخ الشیوخ ابن عربی عوارف المعارف میں لکھتے ہیں کہ:

مرید راست باز اور مخلص بندہ نہیں بنتا۔ جب تک شریعت کی پوری پابندی نہ کرے اور اپنی نظر مخلوق سے نہ ہٹائے۔

ابتدائی مراحل طے کرنے والوں پر جو گمراہی کی آفت آتی ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ان کی نظر مخلوق کی طرف ہوتی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے ہمیں حدیث پہنچی ہے کہ بندے کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک اس کی نظر میں تمام لوگ مینگنیوں کی طرح نہ معلوم ہوں اور اپنے نفس کو اس سے بھی چھوٹا نہ دیکھے۔

مولانا جامی نے نفحات الانفس میں خواجہ بہاؤ الدین نقشبند سے نقل کیا ہے کہ خواجہ بہاؤ الدین فرماتے ہیں:

خدا کا مجاور بننا بندوں کے مجاور بننے سے زیادہ لائق ہے۔ یعنی مسجدوں میں بیٹھنا چاہیے نہ قبروں میں۔ تو قبروں کی پرستش کب تک کرے گا خدا کے مردوں جیسے کام کر یعنی شریعت پر چل۔

شاہ عبد القادر جیلانی جو مشائخ کے سردار اور اولیاء اللہ کے سرکردہ ہیں فتوح الغیب میں فرماتے ہیں:

جو دنیا اور آخرت میں سلامتی چاہتا ہے وہ صبر و رضا بالقضاء کو اپنا شیوہ بنائے اور مخلوق کے پاس اپنی مصیبت کی شکایت اور اپنی ضرورتوں کا پیش کرنا ترک کر دے۔ اور خدا کی طرف سے کشادگی کا انتظار کرے کیونکہ خدا غیر سے بہتر ہے۔

آج کل عجیب بات یہ ہوگئی ہے کہ پیر پرست قرآن و حدیث کے مقابلہ میں عقلی ڈھکوسلوں سے کام لیتے ہیں۔ کہتے ہیں اولیاء اللہ کے ارواح اگرچہ مخلوق ہیں لیکن بوجہ قرب الٰہی کے ان کو پکارنا اور ان سے حاجت روائی کی درخواست کرنا کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اولیاء اللہ کو خدا کی طرف سے یہ قدرت ہے کہ کماں سے تیر نکلا ہوا لوٹا دیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے اگر خدا تجھے دکھ پہنچائے تو اس کے سوا کوئی کھولنے والا نہیں۔ اگر خیر کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ اگر ساری دنیا تجھے نفع پہنچانے میں کوشش کرے جو نفع خدا نے تیرے لئے نہیں لکھا تو وہ اس پر قادر نہیں۔ اگر ساری دنیا تجھے دکھ پہنچانا چاہے جو خدا نے تیرے لئے نہیں لکھا تو اس پر بھی ان کو قدرت نہیں۔ یہ حدیث ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے جس میں ابن عباس کو رسول اللہ ﷺ نے (توحید کا سبق پڑھاتے ہوئے) فرمایا اے لڑکے! خدا کو یاد رکھ خدا تیری

حفاظت کرے گا۔ اللہ کو یاد کر اللہ کو سامنے پائے گا۔ جب سوال کرے اللہ سے سوال کر، جب مدد چاہے اللہ سے چاہ، جو کچھ ہونا تھا۔ اس کے ساتھ قلم خشک ہوگیا یہ حدیث پوری کتب حدیث میں اور فتوح الغیب میں موجود ہے۔ شاہ عبد القادر جیلانی اس حدیث کو ذکر کر لکھتے ہیں:

ہر مومن کو چاہیے کہ اس حدیث کو اپنے دل کا آئینہ اور اپنے بدن کے اندر اور باہر کا کپڑا بنا لے۔ اور بات چیت میں اس کا خیال رکھے۔ پس اپنے تمام حرکات وسکنات میں اس پر عمل کرے تاکہ دنیا اور آخرت میں سلامت رہے۔ اور دونوں جہاں میں خدا کی رحمت سے عزت پائے۔ جو شخص لوگوں سے سوال کرتا ہے۔ وہ خدا سے جاہل ہے اس کا ایمان۔ اس کی معرفت اس کا ایمان کمزور ہے اور حوصلہ کم ہے۔ اس حدیث اور شاہ عبد القادر جیلانی کے اس کلام سے صاف معلوم ہوا کہ پیر پرستوں قبر پرستوں کا رشتہ نہ شریعت سے ہے نہ طریقت سے ہے۔

اگر یہ لوگ ملاحدہ کی طرح کہیں کہ جس مقام میں ہم ہیں حقیقت ہے۔ جو شریعت اور طریقت سے الگ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ شاہ عبد القادر جیلانی فتوح الغیب میں لکھتے ہیں: جس حقیقت کے لئے شریعت سے گواہی نہ ہو وہ کفر اور الحاد ہے۔

شیخ عبد الحق دہلوی مرحوم اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

حقیقت شریعت سے الگ نہیں بلکہ حقیقت اصل میں شریعت ہے۔ ایمان والے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اس کی تہ کو پہنچتے ہیں۔ اگر کسی کو شریعت کے خلاف کشف ہو تو جھوٹ ہے اور باطل ہے۔ اور اس کا اعتقاد کرنے والا کافر ہے۔ ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں:

بہت دفعہ وجدانی نکتہ مجھ کھلتا ہے اور بہت اچھا معلوم ہوتا ہے مگر میں اس کو دو گواہوں عادل کی گواہی کے بغیر قبول نہیں کرتا۔ ایک کتاب اللہ اور دوسرا سنت رسول اللہ۔

اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ مراقبہ اور توحید کا مرتبہ شرعی حدود کی حفاظت کے ساتھ صدیقوں اور عارفوں کا مقام ہے جو اہل تحقیق ہیں۔ بعض لوگ اس مقام میں پریشان ہو جاتے ہیں۔ بعض اپنے آپ کو دائرہ اسلام سے باہر کر دیتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ شریعت، طریقت الگ شے نہیں بلکہ دین ایک ہے اور یہ اس کی شاخیں اور مراتب اور درجات ہیں۔ اللہ حق کہتا ہے اور سیدھا راستہ بتلاتا ہے۔

ابو سعید حراز کہتے ہیں جو باطل ظاہر کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔ اور اسی کے موافق سیر المشائخ میں واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ بہاؤ الدین ذکریا ملتانی اپنے معمول کے موافق ملتان کی ایک مسجد میں صبح کی نماز کے لئے گئے۔ امام ایک رکعت پڑھا چکا تھا وہ دوسری رکعت میں شامل ہوئے۔ جب امام التحیات بیٹھا تو وہ سلام سے پہلے ہی اٹھ کر دوسری رکعت ادا کرنے لگے۔ جب فارغ ہوئے تو امام نے کہا اے شیخ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اٹھنا جائز نہیں شاید امام کے ذمہ سجدۂ سہو ہو۔ جس میں مقتدی کی شرکت بھی ضروری ہے اس لئے پہلے نہ اٹھنا چاہیے۔ شیخ نے کہا اگر نورِ باطن سے معلوم ہو جائے کہ امام کے ذمہ اس نماز میں کوئی سجدۂ سہو نہیں تو اس وقت پہلے اٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام نے کہا اے شیخ جو نور خلاف شرع ہو وہ اندھیرا ہے نور نہیں۔

شیخ ابو عبد اللہ حارث بن اسدی محاسبی جو علماء مشائخ سے ہیں اور متقدمین میں اہل طریقت سے ہیں فرماتے ہیں:

جس کا باطن راقبہ اور اخلاص سے صحیح ہوگیا اس کے ظاہر کو اللہ تعالیٰ ریاضت اور اتباعِ سنت کے ساتھ خوبصورت کر دیتا ہے۔

ابو حفص کبیر حداد جو اہل طریقت کے بڑوں سے ہیں فرماتے ہیں:

جو شخص اپنے اقوال، افعال اور احوال کو دو ترازوؤں کتاب وسنت کے ساتھ نہ تولے اور اپنے خیالات پر غلط ہونے کی تہمت نہ لگائے تو اس شخص کا شمار

مردوں کے دفتر میں نہ کرو۔

شیخ ابویزید بسطامی جو مشائخ میں سلطان العارفین کے لقب سے پکارے جاتے ہیں فرماتے ہیں:

اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ قسم قسم کی کرامات دیا گیا ہے یہاں تک کہ ہوا میں بیٹھتا ہے۔ پانی پر چلتا ہے تو اس کا کچھ اعتبار نہ کرو جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ امر نہی کی پابندی اور حدود کی حفاظت اور احکام شرعیہ کی ادائیگی میں کیسا ہے۔

سید الطائفہ جنید بغدادی جو تمام اہل طریقت کے پیشوا ہیں فرماتے ہیں:

مخلوق کی سانس کی گنتی قدر خدا کی طرف راستے ہیں اور سب بند ہیں مگر جو رسول کے قدم بقدم چلا اس کا رستہ خدا تک پہنچتا ہے۔

ان بزرگوں کے کلام کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ سنت رسول کی پیروی واجب ہے اور امر نہی شرعی کی پابندی لازم ہے اور مخالفِ شرع کے ہاتھ پر خرقِ عادات ظاہر ہونے سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ کیونکہ قرآن میں ہے کہ ظاہر باطن ہر قسم کے گناہ چھوڑ دو۔ بلکہ بیہقی شعب الایمان میں حدیث لائے ہیں کہ جو بدعتی کی عزت کرے اس نے دین اسلام کے گرانے پر امداد کی۔ بزرگانِ دین اس میں بہت احتیاط کرتے تھے۔

کہتے ہیں حسین بن منصور حلاج بڑا عابد تھا۔ ہر رات ہزار رکعت نفل پڑھتا۔ جب اس کی زبان سے اَنا الحق (میں خدا ہوں) کا کلمہ نکلا تو سید الطائفہ جنید بغدادی نے اور دوسرے لوگوں نے اس کے قتل کا فتویٰ دے دیا اور سولی پر کھینچ دیا۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی اَخبار الاَخیار میں لکھتے ہیں کہ:

خواجہ نظام الدین اولیاء سے لوگوں نے پوچھا کہ حسین بن منصور حلاج کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: مردود ہے۔ جنید نے اس کو مردود لکھا۔ جنید اپنے زمانے کا پیشوا تھا۔ اس کا مردود کہنا سب کا مردود کہنا ہے۔

اَخبار الاَخیار میں شاہ عبد القادر جیلانی کے ذکر میں لکھا ہے کہ:

کہ انہوں نے کہا کہ منصور کسی نے نہ پایا۔ کہ اس کی دستگیری کرتا اور جو اس کو غلطی لگی تھی اس سے اس کو روکتا۔ میں اس زمانے میں ہوتا تو اس کی دستگیری کرتا۔ تاکہ وہ اس حد تک نہ پہنچتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت کے مدعی جس بات کو حق سمجھتے ہیں اور اس کو عین معرفت توحید سمجھتے ہیں۔ یہ ان کے پیروں کے نزدیک گمراہی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ مدعی جیسے سنت نبوی کے خلاف کرتے ہیں۔ ایسے بزرگوں اور اولیاء کے بھی مخالف ہیں اور ان کا اپنے بزرگوں کی نسبت محبت کا دعویٰ کرنا صرف زبانی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ منافقوں کی بابت فرماتا ہے۔ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے جو کچھ لکھا کافی ہے۔ اس سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ خدا نے اپنے بندوں کو اپنے حال پر نہیں چھوڑا کہ جس طرح کوئی چاہے اپنے طور پر ریاضت۔ محنت کر کے خدا سے جا ملے۔ بلکہ خدا نے اپنی طرف پہنچنے کا رستہ خود بتلایا ہے اور رسولوں کی معرفت اس کا بیان اپنے ذمہ لیا ہے۔ جو شخص اس کے رستے پر چلے وہ خدا کو مل سکتا ہے جو اس کے خلاف کرے وہ دنیا آخرت دونوں جہانوں میں گمراہ ہے۔ اگر دنیا میں اس پر کوئی حد جاری ہوتی ہو تو جاری کی جائے گی۔ آخرت میں اگر جرم قابل معافی نہ ہوا تو برابر سزا بھگتے گا۔ چھوٹے بڑے کی اس میں کوئی تمیز نہیں۔ خواہ کتنا بڑا ہو اس رستے سے بھٹکنے کے بعد اس کی بڑائی چھٹائی سے بدل جائے گی۔

تفسیر خازن میں ہے موسیٰ علیہ السلام نے وعظ میں کہا :

یا بنی إسرائیل من سرق قطعنا یدہ ومن افتری جلدناہ ثمانین ومن زنیٰ ولیست لہ امرأۃ رجمناہ إلی أن یموت فقال قارون وإن کنت أنت قال وإن کنت أنا
((تفسیر خازن، جلد 3،442

اے بنی اسرائیل جو شخص چوری کرے ہم اس کا ہاتھ کاٹیں گے۔ جو کسی پر زنا کی تہمت لگائے اس کو اَسّی درے ماریں گے، جو زنا کرے اور اس کی بیوی نہ ہو اس کو سو درے ماریں گے۔ جو زنا کرے اور اس کی بیوی ہو اس کو پتھروں سے ماریں گے یہاں تک کہ وہ مرجائے۔ قارون نے کہا اگرچہ آپ ہوں فرمایا اگرچہ میں ہوؤں۔

خیال فرمائیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی بھی مخالفت کی صورت میں نہیں بچ سکتے تو باقی لوگ کس گنتی میں ہیں۔ اسی طرح بدر کے موقعہ پر فدیہ لے کے چھوڑنے پر اللہ نے فرمایا :

(لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ''(سورۃ الأنفال : 68''

''اگر پہلے ہی سے اللہ کی طرف سے بات لکھی ہوئی نہ ہوتی تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کے بارے میں تمہیں کوئی بڑی سزا ہوتی''

تفسیر خازن اور مدارک میں اس کی تفسیر میں لکھا ہے :

(قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو نزل عذاب من السماء نجا منہ غیر عمر وسعد بن معاذ)) (تفسیر خازن ومدارک جلد 3 ص نمبر 310))

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر آسمان سے عذاب اترتا تو عمر اور معاذ کے سوا کوئی نجات نہ پاتا۔

کی رائے فدیہ لینے کی نہ تھی۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر عذاب آتا تو عمر اور معاذ کے سوا اور عبداللہ بن رواحہ اور معاذ چونکہ حضرت عمر کوئی نہ بچتا۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکر جیسے ہی نہ بچتے۔

حاشیہ

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تابع تھے اور معاذ رضی اللہ عنہ چونکہ دوسری قوم سے تھے) (یعنی انصاری تھے اس لیے ان کی رائے مستقل سمجھی گئی۔

بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہوتے۔

سے بڑھ کے کون ہے جب ان کی یہ حالت ہے تو دوسرے پیر فقیر شریعت سے کس طرح سبکدوش ہو سکتے بتلائے اس امت میں حضرت ابو بکر ہیں؟ خاص کر جب رسول اللہ ﷺ بھی شامل ہوں تو کتنے خوف کا مقام ہے۔ تفسیر خازن میں اسی محل میں ایک صفحہ پہلے مسلم کی حدیث ذکر کی ہے کہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا تیرے ساتھیوں پر رو رہے تھے۔ حضرت عمر دوسرے دن رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر روتا ہوں فدیہ لینے کی وجہ سے جو ان پر عذاب آنا تھا وہ مجھے اس درخت کے قریب دیکھایا گیا۔

فتاویٰ ابن باز

جلد اول